ڈاکٹر اسرار احمد: نظریات وافکار

Abstract

Dr. Israr Ahmed (1932-2010) holds an important place among contemporary Muslim thinkers. On the basis of Syed Abul A'la Modudi's dynamic interpretation of Islam and theory of *Eqamat e Deen,* He founded a religious revolutionary party, *Tanzim-e-Islami*, which is well known for promoting the understanding of the Quran in the modern educated class and holds a wide circle of influence. Despite his intellectual concern with Syed Abul A'la al-Modudi, Dr. Israr Ahmed was a strong critic of his political thinking and proclaimed the theory of Islamic Revolution through a protest movement instead of electoral politics. He founded the "Tehreek-e-Khilafat Pakistan" with regard to the Islamic system and establishment and implementation of the Caliphate in contemporary time. Dr. Israr Ahmed's ideology of the Caliphate and its establishment in Pakistan requires consideration with reference to the fruitless electoral political struggle of the religious parties regarding the establishment of the Islamic system in Pakistan so that the dream of establishing an Islamic system can be fulfilled in some way. The paper under consideration examines Dr Israr Ahmed's thought and views in this context.

خلاصہ

ڈاکٹر اسرار احمد (۱۹۳۲ء-۲۰۱۰ء) عصرِ حاضر کے مسلم مفکرین میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اسلام کی حرکی تعبیر و تشریح کے حوالے سے سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نظریۂ اقامتِ دین کو اختیار کرتے ہوئے ایک دینی انقلابی جماعت "تنظیمِ اسلامی" کی بنیاد رکھی جو جدید تعلیم یافتہ طبقے میں قرآن فہمی کے فروغ کے حوالے سے معروف ہے اور ایک وسیع حلقہ اثر رکھتی ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد، سید ابوالاعلیٰ مودودی سے فکری اکتساب کے باوجود ان کی سیاسی فکر کے شدید ناقد رہے اور انتخابی سیاست کے بجائے احتجاجی تحریک کے ذریعے اسلامی انقلاب کے داعی تھے۔ انہوں نے اسلامی نظام کے حوالے سے "تحریکِ خلافت پاکستان" کی بنیاد رکھی اور عصرِ حاضر میں نظامِ خلافت کے قیام اور اس کی عملی صورت گری کے حوالے سے مفصل وضاحت کی۔پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے حوالے سے دینی جماعتوں کی عمومی بے ثمر انتخابی سیاسی جدوجہد کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا نظریہ خلافت اور پاکستان میں اس کے قیام کی حکمتِ عملی غور و فکر کے متقاضی ہیں تاکہ اسلامی نظام کے قیام کا خواب کسی طور شرمندہ تعبیر ہوسکے۔زیرِ نظر مقالے میں ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریات کا اسی تناظر میں جائزہ لیا گیاہے۔

ابتدائیہ

ڈاکٹر اسرار احمد (۱۹۳۲ء-۲۰۱۰ء) عصرِ حاضر کے مسلم مفکرین اور مبلّغین میں اہم مقام رکھتے ہیں۔انہوں نے طب کی اعلیٰ تعلیم کے دوران اسلامی جمعیت طلبہ میں شمولیت اختیار کی اور اپنی فعّالیت کی بناپر اس کے ناظمِ اعلیٰ

مقرر ہوئے۔ تعلیم کے بعد جماعتِ اسلامی میں شمولیت اختیار کی لیکن ۱۹۵۶ء میں ماچھی گوٹھ کے اجتماع کے بعد جماعت سے علیحدہ ہوگئے۔ انہوں نے اسلام کی حرکی تعبیر و تشریح کے حوالے سے سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نظریۂ اقامتِ دین کو اختیار کرتے ہوئے ایک دینی انقلابی جماعت "تنظیمِ اسلامی" کی بنیاد رکھی جو جدید تعلیم یافتہ طبقے میں قرآن فہمی کے فروغ کے حوالے سے معروف ہے اور اپنا ایک وسیع حلقہ اثر رکھتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد، سید ابوالاعلیٰ مودودی سے فکری اکتساب کے باوجود ان کی سیاسی فکر کے شدید ناقد رہے اور انتخابی سیاست کے بجائے احتجاجی تحریک کے ذریعے اسلامی انقلاب کے داعی تھے۔ انہوں نے اپنی تنظیم میں شمولیت کے حوالے سے بھی مروّجہ حلف کی جگہ بیعت کے طریقے کو اختیار کیا اور اسے مسنون قرار دیا۔ انہوں نے اسلامی نظام کے حوالے سے "تحریکِ خلافت پاکستان" کی بنیاد رکھی اور عصرِ حاضر میں نظامِ خلافت کے قیام اور اس کی عملی صورت گری کے حوالے سے مفصل خطبات دیے جو بعد ازآں تحریری شکل میں شایع ہوئے۔ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے حوالے سے دینی جماعتوں کی عمومی بے ثمر انتخابی سیاسی جدوجہد کے مقابلے میں ڈاکٹر اسرار احمد کا نظریہ خلافت اور پاکستان میں اس کے قیام کی حکمتِ عملی غور و فکر کے متقاضی ہیں تاکہ اسلامی نظام کے قیام کا خواب کسی طور شرمندہ تعبیر ہوسکے۔ زیرِ نظر مقالے میں ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریات کا اسی تناظر میں جائزہ لیا گیا ہے۔

نظریہ خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب 'خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام کے صفحہ نمبر ۹ میں کہتے ہیں کہ پاکستان میں بعض لوگ خلافت کے عنوان سے کام کر رہے تھے۔ اور اس کام کے لئے اجتماعی نظم بھی قائم کیا گیا، جس کے ایک اجلاس میں ڈاکٹر اسرار احمد خود بھی شریک ہوئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ ان حضرات کے پاس خلافت کے نظام کے قیام کے لئے کوئی واضح تصورات اور لائحہ ء عمل نہیں تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ وہ حزب التحریر سے کافی متاثر ہوئے جس نے خلافت کی اصطلاح استعمال کی دینی تحریک کے حوالے سے۔ اس تنظیم نے اچھا خاصا اسلامی لٹریچر بھی تیار کیا۔ اور دنیا بھر کے بہت سے مسلمان نوجوان جوش و جذبے کے ساتھ اس تنظیم میں شامل ہو گئے۔ لیکن ڈاکٹر اسرار احمد نے ان کے بہت سے نظریات سے اتفاق نہ کیا، اگر چہ وہ ان کے جذبہ ء عمل سے بہت متاثر تھے۔ لیکن وہ خلافت کی اصطلاح پچھلے تیس سال سے استعمال کرتے رہے، احیائے اسلام اور جہاد کے دنیوی ہدف کے طور پر۔ ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ ان کو احیائے اسلام کا ایک مبہم جذبہ علامہ اقبال کی ملی شاعری سے ملا۔ اس کے بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریروں نے اس جذبے میں رنگ بھرا۔ لیکن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے قیامِ جماعتِ اسلامی کے موقع پر اپنے نصب العین کی تعبیر کے لئے "حکومتِ الٰہیہ کی اصطلاح استعمال کی جیسا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے حزب اللہ کی تاسیس میں اس اصطلاح کو استعمال کیا تھا۔ نیز خیری برادران اور علامہ مشرقی نے بھی اس اصطلاح کو استعمال کیا۔ مگر امین احسن اصلاحی کی جماعتِ اسلامی میں شمولیت کے بعد جب انکی فکر مولانا مودودی کے افکار کے دھارے کے مطابق ہو گئی تو انہوں نے خالص قرآنی اصطلاحات استعمال کیں۔ حکومتِ الٰہیہ کی بجائے شہادت علی الناس، فریضہ اقامتِ دین، غلبہ دینِ

حق کی اصطلاحات کا استعمال عام ہو گیا۔ڈاکٹر اسرار کہتے ہیں کہ انہوں جماعت اسلامی سے علیحد گی کے بعد انہی اصطلاحات کو نہ صرف اپنایا بلکہ مزید مبرہن کیا۔ نیز جہاد فی سبیل اللہ کے عین فرض ہونے پر قرآن و سنت سے بھرپور استدلال کیا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے مراحل و مدارج کے پورے طریقہء کار کو سیرت النبی ﷺ سے اخذ کیا۔ مگر ڈاکٹر اسرار احمد کو یہ احساس رہا کہ ان ثقیل اصطلاحات سے پڑھا لکھا طبقہ تو مانوس ہو سکتا ہے لیکن عوام الناس کے اذہان تک ان اصطلاحات کے ذریعے رسائی مشکل ہے۔ وہ اسی کشمکش میں تھے کہ خلافت کی اصطلاح کی جانب ان کا ذہن منتقل ہوا۔ ڈاکٹر اسرار احمد اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ان کا خلافت کی اصطلاح کو استعمال کرنا حزب التحریر وغیرہ کا مرہونِ منت ہے۔ اور اس کے ساتھ ان کی توجہ اس جانب بھی ہوئی کہ خلافتِ راشدہ کی تابناک یادیں پوری نوعِ انسانی کے تحت الشعور میں ثبت ہیں۔ لہٰذا کیوں نہ اس کے ذریعے عوام و خواص ہر دو کے قلوب واذہان تک رسائی حاصل کی جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد نے "تحریکِ خلافتِ پاکستان" کے عنوان سے ایک باقاعدہ ادارہ رجسٹر کیا اور اس کے تحت کام شروع کیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب 'خلافت کی حقیقت اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام' کے صفحہ نمبر ۱۷، میں کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے سورۃ النّور آیت نمبر ۵۵ میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، کہ وہ ایمان اور عملِ صالح کا حق ادا کریں، تو اللہ تعالیٰ ان کو خلافت فی الارض ضرور عطا فرمائے گا۔ ان کے مطابق خلافت سے مراد مسلمانوں کی حکومت ہے۔ جیسا کہ سابقہ امت کو بھی حکومت عطا کی گئی تھی۔ اس آیت میں تین باتیں انتہائی موکّد انداز میں

بتائی گئیں ہیں۔ پہلی بات، انہیں ضرور خلافت عطا کرے گا۔ دوسری بات یہ کہ ان کے دین کو لازمی طور پر تمکّن فی الارض عطا کرے گا۔ تیسری بات یہ کہ ان کی خوف کی حالت کو اَمن سے بدل دے گا۔[1]

اس آیت کی شانِ نزول کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں، کہ سورہء نور کی یہ آیات سن ۵ ہجری کے اواخر یا سن ۶ ہجری کے اوائل میں نازل ہوئی تھیں۔ اور غزوہء احزاب بھی سن ۵ ہجری کو ہوا تھا۔ جب عرب کی مجموعی قوّت نے مدّینہ منورۃ پر یلغار کر دی تھی، اور ایک ماہ اور کئی دن تک مدینہ کا شدید محاصرہ کر لیا۔ بارہ ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ آور تھا۔ مدّینہ کے گردونواح میں یہود سازشوں میں مصروف تھے، مسلمانوں پر آزمائش کر سخت گھڑی تھی۔ منافقین کا نفاق ان کی زبان پر آ گیا۔ ہر طرف سے خطرہ تھا، کہ ہوازن کا قبیلہ حملہ آور ہو جائے، نجد کے قبائل حملہ کر دیں، کہیں خیبر کے یہودی ہی نہ آ ٹوٹ پڑیں۔ یہ تھے وہ حالات کہ جس میں مسلمانوں کو خوشخبری دی گئی کہ ان کی اس حالتِ خوف کو امن سے بدل دیا جائے گا۔ اور پھر عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو جائے گی اور شرک کا کوئی بھی پہلو باقی نہیں بچے گا۔ کہ اللہ کا دین غالب ہو جائے گا۔ اور توحید عملی طور پر نافذ ہو جائے گی۔ اور اگر اب بھی کسی نے کفر کیا، تو وہ واقعی کافر ہو گا۔[2]

مقصد بعثتِ محمّد رسول اللہ ﷺ۔

رسول اللہ ﷺ کا مقصدِ بعثت کے بارے میں داکٹر اسرار سورہء الصّف کی ۸ تا ۱۴ آیات کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، ان آیات میں پہلی آیت بہت اہم ہے، کہ جس میں کہا گیا ہے کہ یہود اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دینے کے درپے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ اپنے نور کا اتّمام کرئے گا، چاہے یہ کام

کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو!۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے، "وہی اللہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دینِ حق دے کر تاکہ غالب کر دے اس کو کل دین پر خواہ مشرکوں کو یہ بات ناپسند ہو"۔ جب تک نبی ﷺ کی مقصد بعثت کا صحیح فہم وادراک حاصل نہیں ہو، تب تک نہ ہی سیرت الالنبی ﷺ سمجھ میں آسکتی ہے، نہ ہی قرآنِ پاک کا گہرا فہم و ادراک حاصل ہو سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اس آیت کو پورے قرآن کا عمود قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا کام صرف تبلیغِ دین نہیں، بلکہ غلبہ دینِ حق ہے۔ فقط تبلیغ دین ہی کرنی ہوتی تو نبی کریم ﷺ کبھی تلوار ہاتھ میں نہ لیتے اور نہ جہاد و قتال کی کوئی نوبت آتی۔ لیکن نبی کریم ﷺ کا مقصد بعثت ہی غلبہء دین تھا، اور یہ کہ غلبہ ء دینِ حق کا لازمی تقاضا ہے جہادو قتال فی سبیلِ اللہ، جیسا کہ سورہ الصّف کی آیات ۱۰۔۱۱ میں ارشادِ ربّانی ہے۔ جس کے نتیجے میں دنیاوآخرت دونوں جہانوں میں کامیابی کے وعدے کیے گئے ہیں۔[۳۱]

وعدہءخلافت کی تکمیلِ اوّل۔

وعدہءاستخلاف فی الاض کی تکمیل اوّل کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ یہ وعدہ بہت جلد پورا ہوا۔ سورہ الصّف کی مزکورہ بالا آیات سن ۵ ہجری کے اواخر یا سن ۶ ہجری کے اوائل میں نازل ہوئیں۔ ذی القعدہ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے صلح حدّیبیہ کو فتح مبین قرار دیا، ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا۔ مسلمان خوشحال ہوئے۔ ۸ ہجری میں مکّہ فتح ہوا۔ اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب مشرک جزیرہ نمائے عرب سے نکل جائیں، کہ ان کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی معاہدہ نہیں۔ ایک سال کے اندر ہی جزیرہ عرب سے کفروشرک کا خاتمہ کر دیا گیا۔ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا دین سربلند ہو گیا۔ اور خلافت فی الارض کا وعدہ پورہ ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ کی

وفات کے بعد چوبیس سال میں دریائے جیحوں سے لے کر بحرِ اوقیانوس تک دینِ اسلام غالب ہو گیا۔وعدہ استخلاف فی الارض، مذکورہ بالہ آیات کے نزول کے تیس سال کے اندر ہی پورا ہو گیا۔ مسلمانوں کو امن حاصل ہوا اور خوف کی حالت ختم ہوئی۔[۴]

وعدہءخلافت کی تکمیلِ دوم اور عالمی خلافت کی جانب سفر منزل بہ منزل۔

مندرجہ بالا سطور میں وعدہءخلافت کی تکمیلِ اولیٰ کے بارے میں بتایا گیا ہے۔اس کے بعد کیا ہوا؟ اس وقت سے آج تک ہم کن حاالات وحوادث سے دوچار ہوئے؟ یہ تیرہ سو اکتیس سال کی تاریخ ہے۔

کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلاخیز کا قافلہءسخت جان

نبی کریم ﷺ کی ایک مبارک حدیث میں آپ ﷺ کے دور سے لے کر قیامت تک پانچ ادوار کا ذکر کیا گیا ہے۔امتِ مسلِمہ کی پوری تاریخ اس حدیث میں بیان فرما دی گئی۔بحوالہءمسندِ احمد بروایت نعمان بن بشیر درج ہے "مسلمانوں! تمہارے اندر نبوّت رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ چاہے گا اس کو اٹھالے گا۔ پھر آپ نے دوسرے دور کا

ذکر کیا۔-----------------پھر خلافت ہو گی منہاجِ نبوّت پر۔[۵]

دورِ نبوت ﷺ کے بعد خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کا دور آئے گا۔

خلافت علی منہاجِ النّبوّۃ کے الفاظ کی بہت اہمیت ہے۔ کہ ایسی خلافت جو نبوّت کے طریقے پر چلے۔ اس کی عمدہ مثال خلافتِ راشدہ اور عہدِ صدّیقی ہے۔ تیسرا دور کاٹ کھانے والی ملوکیّت کا آئے گا۔ جب تک اللہ چاہے گا اس وقت تک رہے گا۔ پھر اللہ جب چاہے گا اسے اٹھالے گا۔

خلافتِ راشدّہ کے بعد جو دور آتا ہے اسے حدیث میں ملوکیت سے موسوم کیا گیا۔ جب اقتدار کی منتقلی کا نظام اور دولت کی تقسیم کار کا انتظام بالکل بدل گیا۔ اگرچہ نظری طور پر کتاب وسنّت کی مکّمل بالا دستی تسلیم کی جاتی تھی۔ یہ دور بنو امیہ کا دورِ حکمرانی تھا۔ جس میں مسلمانوں پر ظلم وستم روا رکھا گیا۔ حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو ظلم وزیادتی میدانِ کربلہ میں کی گئیں یہ تو امتِ مسلمہ کا بچہ بچہ جانتا ہے، حضرت عبدللہ بن زبیر کے ساتھ بھی کچھ کم ظلم نہیں کیا گیا۔ ان کو حرمِ مکّہ میں ذبح کیا گیا اوران کی لاش تین دن تک بغیر کفن کے لٹکائی گئی۔ اسی دوران واقعہء حرّہ بھی ہوا۔ مدّینہ منوّرہ میں تین دین تک لوٹ مار کی گئی اور مسلمان عورتوں کی ناموس چاک کی گئی۔ حجاج بن یوسف نے سینکڑوں تابعین کو شہید کیا۔ بنو امیہ کے دستِ برد سے محمد بن قاسم اور موسیٰ بن نصیر بھی محفوظ نہ رہے۔ بنو عبّاس کے خلفاء کے جو ٹھاٹھ تھے، ناچ گانے کی محفلیں سجتی تھیں، کوہِ قاف سے خوبصورت عورتیں بغداد کی گلیوں کی زینت بنیں، یہ سب تاریخ میں درج ہیں یہ ہے تیسرا دور جسے آپ ﷺ نے ملوکیّت سے تعبیر کیا۔ حدیث مبارکہ میں چوتھے دور کے بارے میں " ملکا جبریا" کے الفاظ کہے گئے، مجبوری والی ملوکیت، ان دوقسم کی ملوکیت میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم میں ملوک مسلمان تھے، اور دوسرے قسم کی جو ملوکیت تھی وہ غیر مسلموں کی تھی وہ حکمران بن کر ہم پر مسلط ہوگئے۔ کہیں برطانیہ، کہیں فرانس،

کہیں اٹلی اور ولندیزی مسلمانوں کے ملکوں پر قابض ہو گئے تھے۔ اور مسلمان غلامی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ یہ مغربی استعماریت کا دور ہے۔ یہ چوتھا دور ہے جس کی نبی کریم ﷺ نے خبر دی تھی۔ بلاواسطہ غلامی کا دور تو ختم ہوا۔ لیکن بالواسطہ غلامی ابھی برقرار ہے۔ پوری امتِ مسلمہ کی معیشت پر انکی گرفت ہے، ذہنی وفکری اعتبار سے مسلمان ان کے غلام ہیں، مسلمان ان کی ٹکنالوجی کے محتاج ہیں، مسلمان تہذیبی طور پر ان کے زیرِ تسلط ہیں۔ درحقیقت چوتھا دور ابھی جاری ہے،اور اس غلامی کا جو حصہ باقی ہے وہ پہلے سے کہیں بڑھ کر شدائد و مصائب میں زیادہ ہو گا۔[۶]

حدیث مبارکہ کے مطابق اس دور کو بھی ختم ہونا ہے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے پانچویں اور آخری دور کا ذکر فرمایا۔ ان الفاظ میں "ثمہ تکون خلافہ علیٰ منھاجِ النبوہ" پھر خلافت نبوّت کی طرز پر قائم ہو گی۔ یہ خوش خبری موجودہ مایوس کن حالت میں نویدِ جان فزا ہے، جو کہ نبی کریم ﷺ نے سنائی تھی۔ اس حدیثِ مبارکہ کے راوی نعمان بن بشیر کہتے ہیں۔

"ثمہ سکت رسول اللہ ﷺ"

اس کے بعد رسول اللہ خاموش ہو گئے۔

تجدید و احیائے دین از مولانا مودودی کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد خلافت علیٰ 'منھاجِ نبوّت کی اضافی شان بیان کرتے ہیں۔ "جب خلافت علیٰ منھاجِ النّبوت کا نظام قائم ہو جائے گا تو لوگوں میں معاملہ سنّتِ محمد ﷺ کے

مطابق ہو گا،اور اسلام اپنے جھنڈے زمین میں گارڑدے گا۔ آسمان والے بھی راضی ہو جائیں گے اور زمین والے بھی۔ آسمان اپنا ہر ہر (مبارک) قطرہ مسلا دہاڑ بارش کی شکل، میں زمین پر برسادے گا۔اور زمین بھی اپنے تمام خزانے اگل دے گی"۔ ۷

امتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ حصولِ خلافت کی جدّوجہد کرنا امتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی شان کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی بعثت امیین کے لیے بھی ہے اور آخرین کے لئے بھی۔ جہاں تک امیین کا تعلق ہے آپ ﷺ نے اظہارِ دینِ حق اور شہادت علیٰ النّاس کا حق ادا کر دیا۔اس راہ میں کتنی مشکلیں آئیں، مخالفت ہوئی ،استہزاء وتمسخر ہوا، آپ ﷺ نے ذہنی وجسمانی اذیت کا سامنا کیا،شعب بنی ہاشم میں اسیری برداشت کی، طائف کا دن دیکھنا پڑا،ہجرت کی اور مکّہ چھوڑا،غارِ ثور میں رہے، بدر واحد کا معرکہ پیش آیا، مصب بن عمیر کی لاش سامنے آئی،حمزہ ابنِ عبد المطلب کا مثلہ شدّہ لاشہ دیکھنے کو ملا،خندق، حنین، خیبر کی مہم جوئی، آپ ﷺ کے پائے مبارک میں کہیں لغزش نہیں آئی۔

؎ یا تن رسد بہ جاناں یا جاں ز تن بر آید

کی مثل آپ ﷺ نے اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی کی۔ یہاں تک کہ تیئس سال کی جدّوجہد کے نتیجے میں اللہ کے حکم سے حق کا بول بالا ہوا،اور کلمہ ءحق بلند ہوا، اور سرزمینِ عرب میں دینِ اسلام کا پھریرہ لہرانے لگا، تا آنکہ حجّۃ

الوداکے موقع پر اجتماعِ حجاجِ کرام سے جن کی تعداد روایات کے مطابق سوالاکھ تھی، آپ ﷺ نے گواہی لی، کیا میں نے پہنچادیا؟ اس کے جواب میں کہا گیا، آپؐ نے نہ صرف پہنچادیا بلکہ حقِّ خیر خواہی بھی ادا کر دیا۔ نبی کریم ﷺ چند ماہ بعد اپنے رفیقِ اعلیٰ کی طرف رحلت فرماگئے۔ نبی کریمؐ کے بعد امتِ مسلمہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ آپؐ کی بعثتِ عامہ کا فرض ادا کریں۔

لیکون الرسول شهیدا علیکم وتکونوا شهداء علی الناس۔۸

بیسویں صدّی عیسویں کی اہمیت تاریخ کے تناظر میں۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں، تاریخِ انسانی میں بیسویں صدی عیسوی سب سے زیادہ گھمبیر اور اہمیّت کی حامل ہے۔ اس صدی میں دو بڑی سلطنتوں کا خاتمہ ہوا۔ سلطنتِ عثمانیہ اور روس کی سویت یونین کا، اور کیا عجب امریکہ کا بھی یہی انجام ہو، ان کی معیشت سخت بحران کا شکار ہے، ان کی معیشت کا انحصار یہود کے بینکاری نظام پر ہے۔ یہود جب چاہیں، ایک ہی آن میں سب ختم کر دیں۔ وہ وقت قریب ہے جب مسجدِ اقصیٰ کو گرا کر ہیکلِ سلیمانی تعمیر کیا جائے گا۔ مسلمان ممالک ان کی راہ میں حائل نہ ہو سکیں گے کہ ان میں دم خم ہی نہیں مزاحمت کا، اگر کوئی مزاحم ہو گا تو وہ امریکہ ہو گا۔ تو یہود پہلے امریکہ کو ختم کریں گے۔ صیہونی تحریک کے مقاصد سے جو لوگ آگاہی رکھتے ہیں، وہ

جانتے ہیں کہ امریکہ کا انجام قریب ہے۔ بیسویں صدی عیسویں میں دو عالمی جنگیں ہو چکی ہیں، تو کیا تیسری عالمی جنگ نہیں ہو سکتی؟ حدیث میں الملحمۃ العظمیٰ کی خبر دی گئی۔ جنگِ اعظم۔ ۹

بیسویں صدی عیسویں کی تیسری عجیب بات یہ ہوئی کہ یہودی قوم جو دو ہزار سال سے بے گھر تھی، ان کو اسرائیل کے نام سے ایک ملک مل گیا۔ ۷۰ عیسویں سے یہودی در پدر تھے۔ ٹائٹس رومی کے حملے میں ایک لاکھ یہودی یروشلم میں ایک دن میں قتل ہوئے۔ ہیکلِ سلیمانی گرا دیا گیا۔ یہودی اسے دورِ انتشار کہتے ہیں۔ موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ یہودیوں کی تعداد تیرہ چودہ ملین کے لگ بھگ ہی ہے، لیکن وہ عالمِ عرب پر مسلط ہیں، باوجود اسکے کہ عربوں کی تعداد بیس پچیس کڑوڑ ہیں۔ لیکن ان کا یہ تسلط عارضی ہے، اور ان پر عذابِ استیلاء کا وقت آن پہنچا ہے۔ ۱۰

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے کہ اگر اس صدی کے شروع میں خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوا، تو اسی صدی کے آخر میں نظامِ خلافت کا احیاء بھی ہو سکتا ہے۔

بقولِ علامہ محمد قبالؒ۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے۔

جب ہسپانیہ میں مسلمانوں کو آٹھ سو سال عروج کے بعد زوال آیا، تو اسی وقت مشرق میں مسلمانوں کو عروج حاصل ہو رہا تھا۔ اسلام قیامِ قیامت تک رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت

ہو۔ امتِ مسلمہ کسی ایک نسل پر مشتمل نہیں، عربوں سے اسلام کا علم ترکوں کو ملا۔ اب اگر ترکوں کو معزول کیا گیاہے تو یہ علم اسلام ہندستان کے مسلمانوں کو ملنے والا ہے۔بقولِ اقبال۔

؎عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے۔

شکوہِ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی۔

اور ماضی میں بھی ایسا ہو چکا ہے۔

؎ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے

پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔

اور؎

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم

کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدہ

ڈاکٹر اسرار کے نزدیک یہ بات دور نہیں کہ اس صدی کے آخر میں خلافت اسلامیہ کا احیاء ہو جائے۔[۱۱]

بیسویں صدی عیسویں میں تحریکِ خلافت ہندستان میں چلی تا کہ خلافتِ عثمانیہ کو بحال رکھا جائے۔ خلافت کا ادارہ پورے عالمِ اسلام کا مرکز تصوّر کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے خاتمے پر ہندستان کے علاوہ کہیں بھی احتجاج نہیں کیا گیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانان ہند خلافتِ عثمانیہ کی بہت قدر کرتے تھے اور بہت جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔

؎بولیں اماں محمد علی کی

جان بیٹا خلافت پہ دے دو

اور

چاک کر دی ترکِ نادان نے خلافت کی قبا

سادگی اپنو کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک نے گویا صیہونیت کے نمائندے کا کردار ادا کیا اور خلافت کا یہ ادارہ ختم ہو گیا۔ ۱۹۲۴ سے لے کر ۱۹۹۴ تک ستر سال گزر گئے لیکن پھر خلافت کا قیام عمل میں نہ آیا۔ امتِ مسلمہ کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ لیکن ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ اب جو نظامِ خلافت قائم ہو گا، یہ کسی ایک ملک یا جگہ پر نہیں ہو گا، بلکہ یہ پوری دنیا پر قائم ہو گا۔ اس بات کی صراحت احادیث نبوی ﷺ میں موجود ہیں۔ قرآنِ پاک میں بھی اس کی اصل موجود ہے۔ قرآن پاک میں تین مرتبہ کہا گیا کہ۔

"ھوالذی ارسل رسولہٗ با لھدی وٰ دینِ الحقِ لیظھرہٗ علی الدّینِ کلّہ۔"

اور پانچ مرتبہ اس بات کا اعلان کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت پورے عالمِ انسانی کے لئے ہے۔

"وما ارسلنٰک الا کافۃللناسِ بشرا ونذیرا"

اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ بعثت کا مقصد غلبہ ء دینِ حق کا پورہ ہونا لازمی ہے۔ اور اب یہ عالمی سطح پر ہو گا۔ کب ہو گا، کیسے ہو گا، اس کے لئے بھی آزمائش کی راہیں طے کرنی ہوں گیں۔ بقولِ اقبال۔

؎ وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے۔

نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے۔

اور

؎ آسماں ہو گا سحر سے آئینہ پوش

اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائیگی

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود

پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

محوِ حیرت ہوں کہ دینا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریزاں ہو گی آخر نغمہ ءتوحید سے

یہ چمن معمور ہو گا نغمہ ءتوحید سے۔

یہ وقت ہو گا جب۔

"یعبدوننی لا یشرکون بی شیاء" کا منظر سامنے ہو گا۔

غلبہ ءدین اور احادیث مبارکہ۔

ڈاکٹر اسرار احمد غلبہ ء 'دینِ حق عالمی سطح پر' کے نظریہ کو مزید مؤکّد کرنے کے لئے صحیح مسلم کی حدیث بروایت حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نقل کرتے ہیں۔ "بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سکیڑ دیا تو میں نے

زمین کے سارے مشرق اور سارے مغرب دیکھ لئے اور میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی، جو مجھے زمین سکیڑ کر دکھائے گئے ہیں۔"

اور ایک دوسری روایت مسندِ احمد بن حنبل مقداد بن اسود نقل کی گئی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ "زمین کی پشت پر نہ کوئی اینٹ گارے کا گھر ہی بچے گا نہ کمبلوں سے بنا ہوا کوئی خیمہ جس کے اندر اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرمادے، عزت دار کی عزت کے ساتھ یا مغلوبیت پسند کی مغلوبیت کے ساتھ۔ یا تو اللہ ان کو اس کلمہ کے ذریعہ عزت دے گا، تو وہ خود اس کلمہ کے حامل بن جائیں گے یا وہ ان کو مغلوب کر دے گا تو وہ خود اس کلمہ کے مطیع اور تابع بن جائیں گے "۔ مندرجہ بالا احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ کل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب ہو گا۔ ۱۲

امتِ مسلمہ کی تاریخ کے چار ادوار۔

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب 'سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور پاکستان کی خصوصی ذمہ داری' کے باب چہارم میں رقم طراز ہیں۔ "امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: لیا تین علی امتی ما اتیٰ علیٰ بنی اسرائیل حذو النعلِ بالنعل ۔ میری امت پر بھی لازماوہ تمام حالات وارد ہو کر رہیں گے، جو بنی اسرائیل پر واقع ہوئے، ہو بہو بالکل ایسے ہی جیسے (ایک جوڑے کی) ایک جوتی دوسری جوتی سے مشابہ ہوتی ہے۔" مندرجہ بالہ حدیثِ مبارکہ کو نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کی روشنی میں ان کی

نگاہوں کے سامنے امتِ مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کا ایک خاکہ سا آگیا۔اور یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ بنی اسرائیل کی دو ہزار سالہ تاریخ کے جن چار ادوار کا ذکر سورہء بنی اسرائیل کی ابتدائی چند آیات میں ہوا ہے۔وہ ایک اعتبار سے امتِ محمدّ ﷺ کی چودہ سو سالہ تاریخ کا پیشگی اعلان ہے۔ امتِ مسلمہ کے فلسفہ ء تاریخ کے حوالے سے دو باتیں ذہن نشین کر لینی چاہیئں۔ایک یہ کہ امتِ محمد اپنی ہیئتِ تشکیل کے اعتبار سے دو اجزاء پر مشتمل ہے۔پہلا حصہ امیین،بنی اسماعیل پر مبنی ہے اور یہی امتِ مسلمہ کے قلب و مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔اور دوسرا حصہ آخرین کا ہے،یعنی وہ دیگر اقوام جو بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوتی گئیں،پر مشتمل ہے۔خواہ وہ کرد ہوں ،ترک ہوں،ایرانی ہوں،افغان ہوں، مغل ہوں، اہلِ ہندستان ہوں،اہلِ حبش ہوں،یا بربر ہوں، شرقِ بعید کے ہوں یا غربِ بعید کے۔نیز جغرافیائی طور سے عالمِ اسلام تین حصوں میں تقسیم ہے۔ایک قلب ،دوسرے میمنہ اور تیسرا میسرہ،دنیا کے نقشے پر عالمِ اسلام ایک عقاب کی مانند کا منظر پیش کرتا ہے،جو اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے،اڑھ رہا ہو۔جزیرہ نمائے عرب، عراق،شام و فلسطین،اور ایشیائے کوچک،اس عقاب کے جسم کی سی مشابہت رکھتے ہیں،اس کے میمنہ میں ایران،ترکستان،،افغانستان،اور برِ صغیر پاک و ہند سے ہوتا ہوا، ملائشیا اور انڈونیشیا تک کا پھیلاؤ ہے۔اور میسرہ پورے شمالی افریقہ کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا ہسپانیہ تک چلا گیا ہے۔۱۳

امتِ مسلمہ کی تاریخ کا آغاز ساتویں صدی عیسویں سے ہوتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ۵۷۱ء میں ہوئی۔۶۱۰ء میں رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ اسلام کا آغاز فرمایا۔اور اپریل ۶۳۲ء میں رسول اللہ ﷺ جزیرہء نمائے عرب میں اسلامی انقلاب کی تکمیل فرما کر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ فصلی اللہ علیہ و سلّم تسلیما

کثیرا۔خلفائے راشدّین کے عہد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے دورِ خلافت تک امیین اسلام کی دعوت لے کر ایک سیلاب کی مانند جزیرہ نمائے عرب سے نکلے اور انہوں نے ایک چو تھائی صدی سے بھی کم عرصے میں ایران و عراق،شام و فلسطین، مصر اور شمالی افریقہ کے بڑے حصے کو سلام کے زیرِ نگیں کیا،اور سلام کا جھنڈہ لہرادیا۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے عہدِ خلافت میں یہ عمل رکا رہا۔تاہم بنو امیہ کے دور میں یہ سیلاب دوبارہ آگے بڑھا،اور کم ہی وقت میں ایک طرف مشرق میں ترکستان ،افغانستان اور سندھ اور دوسری طرف مغرب میں شمالی افریقہ کے علاوہ ہسپانیہ ،مغربی یورپ کا وسیع علاقہ امیین کے زیرِ تسلط آ گیا۔عالمِ اسلام کی سر حدیں تین برِ اعظموں تک وسیع ہو گئیں۔آٹھویں ،نویں اور دسویں صدی عیسویں میں عربوں کا عروج رہا۔اس دوران عالم اسلام کی قیادت وسیادت امیین کی دو اہم شاخوں،بنو امیہ اور بنو عبّاس کو حاصل رہی۔دنیا کے بڑے حصہ پر اسلام کو شان وشوکت حاصل رہی۔مگر ایک طرف وقت کے ساتھ دنیاوی جاہ وجلال میں اضانہ ہوا،تو دوسری جانب دینی جذبات اور ایمان کی حرارت میں کمی آئی۔دسویں صدّی عیسویں کے دوران واضح ہو گیا کہ عالم عرب کا زوال شروع ہو چکا۔گیارویں صدّی عیسویں کے دوران امیین کا زوال اپنے انتہا کو پہنچ گیا،اس طرح عالمِ اسلام کے قلب میں قوّت کا خلا پیدہ ہو گیا۔اس کو ترکانِ سلجوقی نے پر کیا اور گیارہویں صدّی عیسویں کے دوران شام،فلسطین اور مصر میں استحکام حاصل کیا اور قلبِ اسلام کی حفاظت اور دفاع کیا۔بارہویں اور تیرہویں صدی کے دوران میں پہلا دورِ زوال صلیبیوں کے ہاتھوں آیا۔۱۰۹۹ء میں یروشلم پر وہ قابض ہو گئے۔اور لاکھوں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔اس کے بعد ۱۲۵۸ء میں تاتاریوں کے ہاتھوں کروڑوں مسلمان قتل ہوئے۔اور نکی

عظیم سلطنت نیست ونابود کر دی گئی۔ اور بغداد بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے گیا۔ بنو عبّاس کے آخری خلیفہ کو محل کے اندر ذلیل کیا گیااور ان پر جانور کی کھال ڈال کر گھوڑوں کے پاؤں تلے روند ڈالا گیا۔ شیخ سعدی نے مرثیہ لکھا۔

؎ آسمان راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں

بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر الموء منیں

سابقہ اور موجودہ امتِ مسلمہ کی تاریخ میں بہت مشابہت ہے۔ ان پر پہلے آشوریوں نے حملہ کیا، جو شمال سے آئے تھے۔ یہاں صلیبی شمال سے حملہ آور ہوئے۔ ان پر مشرق سے کلدانیوں نے حملہ کیا، یہاں مشرق سے تاتاری حملہ آور ہوئے۔ وہاں لاکھوں بنی اسرائیلی قتل ہوئے، یہاں بھی کروڑوں مسلمان قتل کئے گئے۔ پھر مسلمانوں کو جن سے پٹوایا گیا، وہی لوگ اسلام کے دائرہ میں داخل ہو کر داعیِ اسلام بنے۔

؎ ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔

یہ دوسرا عروج جو مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ یہ سلطنتِ عثمانیہ کا عہد ہے، جو کہ چار صدیوں پر محیط ہے۔ یہ بنی اسرائیل کی مکابی سلطنت کی مانند ہے۔ پھر تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا۔ بنی اسرائیل پر عذاب کا دوسرا دور یورپی اقوام کے ہاتھوں آیا، اور موجودہ مسلمانوں پر یورپی سامراج کی یلغار ہوئی۔ سابقہ امت پر پہلے یونانیوں نے حملہ کیا، پھر رومی آئے۔ جبکہ موجودہ امتِ مسلمہ ،ولندیزی ،انگریز اور اطالوی اقوام کے زیرِ تسلط آئے۔ بنی

اسرائیل کے چار ادوار نبی کریم ﷺ کی بعثت تک مکمل ہو گئے تھے، جبکہ وہ موجودہ امتِ مسلمہ پر بیسویں صدی کے آغاز پر پورے ہو گئے ہیں۔ لیکن ایک استثنائی صورت باقی ہے جو بنی اسرائیل کے لئے بھی ہے اور بنی اسماعیل کے لئے بھی۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۸، میں وارد ہوا ہے۔"اگر تم باز نہیں آوگے تو ہم تم کو سزا دیتے رہیں گے"۔ اس کی واضح مثال بیسویں صدی عیسویں میں ساٹھ لاکھ یہودیوں کا قتل عام ہے، جو کہ ہٹلر نے کیا۔ اور اسی طرح کے عذاب کی ایک صورت ابھی امتِ مسلمہ پر بھی آنے والی ہے۔[۱۴]

سقوطِ خلافت کے نقصان کا عملی مظہر بھارت میں ہندوازم کا احیاء۔

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب خطباتِ خلافت کے صفحہ ء نمبر ۵۸، میں بھارت میں ہندوازم کے احیاء کے بارے میں کہتے ہیں کہ بھارت میں ہندومت کا احیاء بہت تیزی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ایودھیا کی مسجد کو گرانے کے لئے پورے بھارت سے آر۔ایس۔ایس کے تین لاکھ کارکن آئے۔ وہ اتنے منظم انداز سے اکٹھے ہوئے کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ ان کا مقصد صرف ایک ہی تھا، کہ وہ بابری مسجد کو ڈھادیں۔ انہوں نے مسجد گرائی اور واپس چلے گئے۔ آر ایس۔ایس میں پچیس لاکھ کارکن موجود ہیں، اور ان کا مقصد پاکستان اور مسلمانوں کا خاتمہ ہے۔ ان کے گرو دیوداس نے ایک خط کے ذریعے ہندو قوم کی تمام علمی، سماجی، سیاسی اور غیر سیاسی تنظیموں کو کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہندستان کو مسلمانوں کے وجود سے پاک کر دیا جائے۔ اس نے کہا کہ اس بات کا ردِ عمل پورے عالمِ اسلام میں کہیں نہیں ہو گا سوائے پاکستان اور بنگلا دیش کے، جس کی ہمیں چنداں فکر نہیں۔ اس نے یہ الفاظ استعمال کئے "میں تم کو یقین دلاتا ہوں" اس نے یہ الفاظ اس لئے استعمال کئے کہ بابری مسجد کے گرانے

پر پورے عالمِ اسلام میں سے صرف بنگلا دیش اور پاکستان میں اس کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ اس کے علاوہ کہیں کوئی احتجاج نہیں کیا گیا۔ ایک طرف ہندو مت کے احیاء کا منظر ہے اور دوسری جانب ہماری صورتِ حال یہ ہے کہ ہم بدترین انتشار کا شکار ہیں۔ جو کہ ایک افسوس کا مقام ہے۔ کیا خدانخواستہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمیں ہندوؤں سے پٹوانے کا انتظام کیا جارہا ہے۔ یہ کہ وہ ہمیں تہس نہس کر دیں، پھر اللہ تعالی ان کو اسلام کی دولت سے بہرہ ور کر دے، اور وہ اسلام قبول کر لیں، ایسا ماضی میں ہوتا رہا ہے۔

بقولِ اقبال۔

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔

نظام، خلافت کب اور کہاں قائم ہو گا؟

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب 'خلافت کی حقیقت اور عہدِ حاضر میں اس کا نظام' کے صفحہ نمبر ۶۰ میں نظامِ خلافت کب اور کہاں برپا ہو گا؟ کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں۔ "مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ خلافت کا احیاء اسی خطے سے ہو گا۔ ۱۵

ایک سوال کا جواب میرے پاس نہیں کہ یہ کب ہو گا؟" اپنی بات کی تائید کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد دو احادیث پیش کرتے ہیں۔ بحوالہ ابنِ ماجہ سے بروایت حضرت عبداللہ بن حارث منقول ہے۔ "مشرق سے فوجیں نکلیں گی جو مہدی کی حکومت قائم کرنے کے لئے منزل پر منزل مارتی چلی آئیں گی"۔ اس حدیث سے صاف پتہ چلتا ہے

کہ نظامِ خلافت پہلے سے قائم ہو چکا ہو گا۔اس ضمن میں دوسری حدیث بحوالہ ابنِ ماجہ بروایت حضرت ابو ہریرہ منقول ہے۔"خراسان کی جانب سے علم چلیں گے،ان کو کوئی نہ روک سکے گا۔وہ ایلیا میں جاکر نصب ہو جائیں گے "۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وقت یروشلم کا نام ایلیا تھا،اور خراسان اس علاقے کا نام ہے، جس کا کچھ حصہ پاکستان میں ہے لیکن بڑا حصہ افغانستان میں ہے۔ گویا یہ وہ جگہ ہے جہاں سے خلافت کا احیاء ہو گا۔ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ بظاہر حالات ناموافق ہیں اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ نظامِ خلافت کا احیا بھی ہو گا۔ لیکن ایک اہم بات سمجھ لینی چاہیے کہ تاریخ میں جو بڑے بڑے حادثات وواقعات کا ظہور ہوتا ہے۔اس کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن ہوتا ہے۔یہ دو چیزیں بالکل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔جن واقعات کی ظاہر اعتبار سے اہمیت ہوتی ہے۔باطنی اعتبار سے ان کی اہمیت نہیں ہوتی۔بعین ہی باطنی اعتبار سے جن واقعات کی اہمیت ہوتی ہے بظاہر زیادہ اہمیت کے حامل نظر نہیں آتے۔درحقیقت باطنی امور کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر موقوف ہے۔مجھے قرآن واحادیث کی روشنی میں مستقبل میں احیاء خلافت کی نوید صبح صادق کی طرح روشن دکھائی دے رہی ہے۔[16]

عہدِ حاضر میں اسلامی ریاست کا دستوری نظام۔

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب پاکستان میں نظامِ خلافت کیا کیوں اور کیسے ،کے باب دوم عہدِ حاضر میں اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کا دستوری خاکہ کے ضمن میں اسلامی ریاست کی دو امتیازی خصوصیات بیان کرتے ہیں۔ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ اسلام کا نظامِ خلافت عہدِ حاضر میں سیاست وریاست کے سلسلے میں کیا عملی صورت اختیار کرے

گا۔اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ اسلامی ریاست وقت کے اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق جمہوری روایات کی پاسدار ریاست ہو گی جو وطنی قومیت کی بنیاد پر قائم ہونے والی سیکولر جمہوری ریاست سے صرف دو بنیادی امور میں مختلف ہو گی۔ایک اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ،اور دوسرے،اسلامی قومیت۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ۔

حاکمیتِ مطلقہ کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کیا جائے گا۔جس کا مظہر قرآن وسنت کی بالا دستی نظام و قانون ہر دو پر تسلیم کی جائے گی،اور اس معاملے میں نہ کوئی استثناء ہو اور نہ ہی کوئی شرط۔بقولِ اقبال۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے۔

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری۔

اسلامی قومیت کی بنیاد۔

اسلامی ریاست میں اسکی مکمل شہریت ،وطنی قومیت کے برعکس ہر اس شخص کو جو اسلامی ریاست کی حدود میں رہائش پذیر ہو، نہیں دی جاسکتی۔یہ صرف ان کو حاصل ہو گی،جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کا اعلان و اقرار کریں۔غیر مسلموں کی جان ومال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ لیا جائے گا۔اسی لئے ان کے لئے ذمی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔انہیں عبادات اور عائلی زندگی کے قوانین سمیت پرسنل لاء کے حوالے سے مکمل آزادی ہو گی۔لیکن اسلامی حکومت میں قانون سازی میں غیر مسلموں کو شریک نہ کیا جائے گا۔کیونکہ اسلامی

ریاست میں قانون سازی کتاب وسنت کی حدود میں رہ کر اجتہاد سے عبارت ہے،اور خلافت علی منہاج النبوۃ ہونے کے باعث اسلامی حکومت کا مقصد نبوت کے مشن کی توسیع وتکمیل ہو گا۔17

نو دستوری نکات۔

مندرجہ بالا دو اصولوں کو بر قرار رکھتے ہوئے،انسانی حقوق کے بلند ترین تصوّرات ومعیارات اور ریاست و حکومت کے جدید ترین اداروں سے بھرپور استفادہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔اس طرح انسانی زندگی کے تمدّنی ارتقاء کے سارے فوائد وثمرات سے بھی مستفید ہوسکتے ہیں۔عہدِ حاضر میں اسلامی ریاست کے نو دستوری نکات درج کیئے گئے ہیں۔

ا۔اجتماعی خلافت۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں ، کہ پہلے وقتوں میں امامت و خلافتِ شخصی ہی ہوتی تھی۔اس کی عمدہ مثالیں حضرت ابراہیم و داؤد علیہم اسلام کی امامت و خلافت ہے۔لیکن جب بنی آدم کا سیاسی شعور بلوغ تک پہنچ گیا،تو اللہ تعالیٰ نے امامت وخلافت کو بھی اجتماعی اداروں کی صورت میں ایک جانب دنیا کی امامت کی ذمہ داری مجموعی اعتبار سے امتِ مسلمہ کے حوالے کر دی گئی، جسے امتِ وسط اور خیر امت کا خطاب دیا گیا۔تو دوسری جانب خلافت بھی تمام مسلمانوں کا حق قرار پائی،جو اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے اسے خلافت کے منصب پر فائز کر سکتے

ہیں۔ڈاکٹر اسرار احمد اپنی بات کی تائید کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بحوالہ مسندِ احمد بن حنبل اور صحیح بخاری نقل کرتے ہیں۔

"جس شخص نے کسی امیر کی بیعت مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کرلی اس کی کوئی بیعت نہیں"۔

اسی طرح مسلمانوں کے باہمی مشورے کا نظام دورِ خلافتِ راشدہ میں قبائلی اساس پر قائم تھا، لیکن آج کی دنیا میں اسے بالغ رائے دہی کے اصول کے مطابق اسلامی ریاست کی حدود میں تمام مسلمان مرد وخواتین کو شامل کیا جا سکتا ہے۔البتہ امانت داروں اور اہل افراد ہی انتخابات میں حصہ لے سکیں گے۔

۲۔عہدِ حاضر کی ریاست کے تین عناصر۔

عہدِ حاضر کی ریاست کے تین عناصر ہیں۔مقننہ،عدلیہ اور انتظامیہ۔دور خلافتِ راشدہ میں ان اداروں کا وجود ایک دوسرے سے جدا نہ تھا۔لیکن عہدِ حاضر میں اسلامی ریاست کو تمدنی ارتقاء کے ان عظیم فوائد سے بھرپور طور سے مستفید ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں۔اس لئے مسلمانوں کی مقننہ جسے بجا طور پر مجلس شورہ کہا جا سکتا ہے،ان کا انتخاب مسلمان ہی کریں گے۔اور اس کے ذریعے شریعتِ اسلامی کی تدوینِ نو اور اجتہاد کا عمل جاری رہے گا۔دوسری جانب عدلیہ کا ادارہ ہو گا،جو لوگوں کے درمیان جھگڑوں کا فیصلہ کرے گی،اور آئین کی پاسبان ہو گی،اور پاسبان ہونے کے حوالے سے اس بات کو مدِ نظر رکھے گی کہ کوئی قانون سازی یا اجتہاد قرآن و سنت

کے منافی تو نہیں؟ تیسری جانب انتظامیہ ہو گی، جس کے پاس انتظامی امور کے اختیارات ہوں گے، اور ملک کے نظم و نسق کی ذمہ دار ہو گی۔

۳۔ قانون سازی یا اجتہاد۔

قانون سازی اور اجتہاد کا کام مقننہ کے سپرد کیا جائے گا۔ لیکن مقننہ کے باہر اصحاب علم حضرات بھی اجتہاد کر سکیں گے، مگر ان کے اجتہاد کی منظوری مقننہ ہی دے گی۔ اس بات کا فیصلہ کہ کوئی اجتہاد شریعت کی حدود کے اندر ہے یا تجاوز کر گیا؟ اس بات کو ملکی اعلیٰ عدلیہ کے سامنے لے جایا جائے گا۔ کہ یہ اجتہاد واقعیٔ اجتہاد ہے اور کتاب و سنت کے اندر ہے ؟ یا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو چیلنج کیا گیا ہے ؟ اس حولے سے موجودہ دو عملی نظام صرف وقتی طور پر قابلَ قبول تو ہو سکتا ہے لیکن مستقل طور پر نہیں۔ ایسی صورتِ حال بہت ہی ناپسندیدہ ہے کہ ملک کی اعلیٰ عدالتیں جدا ہوں، اور شرعی عدالتیں جدا ہوں۔ اور منصفوں کے تقرر و عزل کے اصول مختلف ہوں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ مستقبل کی اسلامی ریاست میں لاء کالج میں کلیۃ الشریعہ ہی بطورِ نصاب پڑھایا جائے گا۔ اور متعلقہ جج و وکلاء صاحبان ماہرینِ دینِ اسلام ہوں گے۔ اور ایک ہی عدالتی نظام ہو گا، اور وہ شرعی عدالتی نظام ہو گا۔

۴۔ سیاسی جماعتیں۔ دورِ جدید کی

روشن خیال اور ترقی یافتہ ریاست کی خصوصیات میں سیاسی جماعتوں کا وجود میں آنا بھی شامل ہے۔ جس میں انسان کی آزادیٔ اظہارِ رائے اور جماعت سازی کو بھی شہریوں کا مسلّم حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست

میں عوام کو یہ حق حاصل ہو گا، بشرطیہ کہ کوئی سیاسی جماعت اپنے منشور میں اسلام کے منافی کوئی چیز شامل نہ کرے۔ نیز اس پابندی کے علاوہ ان کو ایک اضافی آزادی یہ حاصل ہو گی کہ کوئی رکن مقننہ، خواہ کسی بھی جماعت کے ٹکٹ سے کامیاب ہوا ہو۔ مجلسِ قانون ساز کی معمول کی بحث میں ہر طرح کے معاملات میں اپنی رائے کے اظہار میں مکمل آزاد ہو گا، اور اپنے ضمیر کی آواز سب تک پہنچا سکے گا۔ مگر یہ بات پارٹی کے منشور کے خلاف نہ ہو۔ اس صورت میں وہ اپنی نشست کھو دے گا۔

۵۔ آزادی اور پابندی کا حسین امتزاج۔

ڈاکٹر اسرار احمد آزادیٔ اظہارِ رائے اور پابندیٔ اظہارِ رائے کے تناسب کے حوالے سے ایک حدیث مبارک، مسندِ احمد بن حنبل بروایت ابی سعید حذری نقل کرتے ہیں، کہ "مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے، جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہو"۔ ایک اسلامی ریاست میں آزادی اور پابندی کا جو حسین امتزاج ہوتا ہے، وہ اس مثال سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے، کہ کتاب و سنت کے دائرے سے نہیں نکلنا۔[۱۸]

۶۔ فقہی اختلافات کا حل۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ پاکستان میں شریعت کے عملی نفاذ کے سلسلے میں فقہی اور مسلکی اختلافات کو ایک بہت بڑی رکاوٹ بنا پیش کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت میں اس مسئلے کی سنگینی اتنی نہیں جتنی بنالی گئی۔ بقول شاعر۔

؎ کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار

اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنادیتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست کا نظام نیم سیکولر ہو گا، اور تمام شہریوں کو ان کے پرسنل لاء اور عائلی زندگی کے قوانین میں اپنے، اپنے فقہی مسالک کے مطابق زندگی گزارنے میں ان کو آئینی سطح پر کامل آزادی دی جائے گی۔ لیکن قانونِ ملکی کا جہاں تک تعلق ہے، تو اس کے نفاذ کی دو راہیں، ہیں، اور دونوں ہی صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ کسی بھی مسلک یا فقہ کو نافذ نہ کیا جائے، اور قرآن و سنت ﷺ ہی کو اصل حجت قرار دیا جائے۔ اور تمام مسالک و مذاہبِ فقہی اور ان کے مسلم اجتہادات کو نظائر کی حیثیت سے مسلمانوں کا مشترکہ ورثہ سمجھا جائے۔

دوسرا راستہ یہ ہے جس فقہ کی پیروکار ملک کی آبادی کی اکثریت ہو، پبلک لاء کی حیثیت میں اسی فقہ کو نافذ کیا جائے۔ جیسا کہ موجودہ دور میں ایران میں نافذ ہے۔

۷۔ صدارتی نظام۔

ڈاکٹر اسرار کہتے ہیں عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست کا نظام حکومت صدراتی ہو یا پارلیمانی؟ اس بارے میں کتاب و سنت خاموش ہیں، اصولی طور پر یہ معاملہ مسلمان شہریوں کی صوابدید پر منحصر ہے۔ لیکن یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خلافتِ راشدہ کا نظامِ حکومت، جدید طرز حکومت کے خدوخال کے لحاظ سے صدارتی نظام حکومت اور وحدانی طرزِ حکومت سے بہت مشابہ تھا۔ پاکستان کے حالات سے صدارتی نظام زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ جس میں صوبوں کی از سرِ نو تشکیل کی جائے، ان کی ثقافت کو یکساں اہمیت دی جائے، اور ان کو زیادہ سے زیادہ داخلی

خود مختاری دی جائے۔ اسلامی ریاست میں عربی زبان کی تعلیم پورے ملک میں دی جائے گی اوراسے قومی زبان کا درجہ دیا جائے گا۔

۸۔ خواتین کی شرکت۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں، کسی مسلم عورت کا خلیفہ بننا حرامِ مطلق تو نہیں، مگر مکروہِ تحریمی ضرور ہے۔ یہ طے شدہ امر ہو گا کہ کوئی خاتون خلیفہ کے عہدہ پر فائز نہ ہو سکے گی۔ جہاں تک ارکانِ شورہ کا تعلق ہے، خواتین کو بھی رائے دہی کا حق حاصل ہو گا۔ مجلسِ شورہ میں شرکت کی صورت میں ستر و حجاب کے شرعی احکام ان پر لاگوں ہوں گے۔

۹۔ غیر مسلموں کی حیثیت۔

غیر مسلم اقلیتوں کو اسلامی ریاست کے صدر یا خلفہ اور مجلسِ شورہ کے انتخاب میں حقِ رائے دہی حاصل نہیں ہو گا۔[۱۹]

اسلامی ریاست کے خدّخال۔ ذیل میں

ڈاکٹر اسرار احمد کے دس نکات پیش کئے گئے ہیں جو ان کی کتاب 'پاکستان میں نظامِ خلافت کیا کیوں اور کیسے' سے لئے گئے ہیں، جس میں بتایا گیا ہے کہ خلافتِ راشدہ کا دورِ اوّلیں کیا تھا؟ اوراب اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کی کیا شکل وصورت ہو گی۔

ا۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور قرآن وسنت کی بالادستی۔

جمہوریت ایک ملعون نظام ہے، جس میں حاکمیت کا اختیار عوام کو حاصل ہوتا ہے۔ اسلام میں پہلا نکتہ ہی یہی ہے کہ حاکمیت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ کی عوام کو منتقلی ہی کفر و شرک ہے۔

بقولِ اقبال۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے۔
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری۔

الحمدو للہ ،اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اقرار قراردادِ مقاصد کی صورت میں پاکستان کے آئین میں ثبت کر لیا گیا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ سوال یہ ہے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی عملی صورت کیا ہو؟اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا نفاذ اصل میں قرآن و سنت کی غیر مشروط اور بغیر کسی استثناء کے بالادستی کے ذریعے ہی واقع ہو گا۔ پاکستان کے دستور میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اقرار تو کر لیا گیا ہے، مگر ہم مسلمانوں نے اس پہلو سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑی چال بازیاں کی ہیں،اور اس جرم کی پادش میں سزائیں بھی بھگتیں ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان دولخت ہوا۔ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ الحمدوللہ یہ خطہ ابھی باقی ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ اس مغربی حصے کو کچھ ہوا تو اس کے کئی ٹکرے ہونے کا اندیشہ ہے۔ جب تک ہم اللہ تعالی کے ساتھ اپنا رویہ درست نہیں کریں گے ،بحیثیتِ قوم ،ہمیں شدید خطرات لاحق رہیں گے۔ وہ چال بازیاں یا دھوکے بازیاں کیا ہیں،جو ہم نے اللہ عزوجل اور ربِّ کریم سے روا رکھی ہوئیں ہیں؟ ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک وہ دھوکے بازیاں یہ ہیں کہ

آئینِ پاکستان میں کہا گیا ہے کہ " قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو گی" لیکن آئین کی اس دفعہ کو محض راہنما اصول کی حیثیت دی گئی ہے۔ عملی ضابطہ کی حیثیت نہیں دی گئی۔یعنی کہ اصول کی حد تک کتاب وسنت کی بالا دستی تسلیم کی گئی ہے۔ مگر اس کی بنیاد پر عدالتوں میں کوئی معاملہ زیرِ بحث نہیں لایا جا سکتا۔ ضیاء الحق مرحوم نے وفاقی شرعی عدالت قائم کی، جسے یہ اختیار دیا کہ جو قانون قرآن و سنت کے مخالف ہو اس ختم کر دے۔ لیکن اس معاملے میں بھی دیانت سے کام نہیں لیا گیا۔ اور وفاقی شرعی عدلت کو دو ہتھکڑیاں اور دو بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ وہ یہ کہ وفاقی شرعی عدالت نہ تو دستورِ پاکستان کے بارے میں اپنی رائے دے سکتی ہے اور نہ ہی عدالتی قوانین کا جائزہ لے سکتی ہے۔ نہ مالی قوانین کا جائزہ لے سکتی ہے اور نہ عائلی زندگی کے قوانین کا۔ اس قدر پابندیاں لگا کر شرعی عدالت سے نفاذِ اسلام کے سلسلے میں کیا حاصل ہو سکتا تھا؟ عہدِ حاضر میں اقتصادیات کی بڑی اہمیت ہے۔ لیکن ان معاملات میں شریعت کا عمل دخل پسند نہیں کیا گیا۔ نیز ہماری قومی اسمبلی نے نفاذِ شریعت ایکٹ بھی منظور کر لیا، اور ساتھ ہی ہر طرح کا سودی کاروبار بھی جائز قرار دے دیا گیا۔ اس فیصلہ سے ہم اللہ تعالیٰ سے حالتِ جنگ میں آ گئے ہیں۔ جب تک دستور میں یہ ترمیم نہیں ہوتی کہ کتاب وسنت کو پاکستان کے دستور اور نظام و قوانین سب پر بالا دستی حاصل ہو گی، اس وقت تک نفاذ اسلام کی جانب پیش رفت نہیں ہو سکتی۔[۲۰]

۲۔ خلیفہ کا براہِ راست انتخاب۔

عہدِ خلافتِ راشدہ میں خلیفہ کا تقرر مسلمانوں کے باہمی مشورے سے سر انجام پاتا۔اس وقت نہ بیلٹ بکس تھے،اور نہ ہی انتخابات کا باقائدہ نظام،جو کہ دورِ جدید میں جمہوری نظامِ حکومت کی روحِ رواں ہے۔لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم،کے درمیان ایک درجہ بندی کا نظام بدرجہء اتم موجود تھا۔عشرہ مبشرہ ،اور بیعتِ رضوان کے حامل اصحابِ شجرہ بھی موجود تھے۔لیکن آج اس طرح کی نہ تو درجہ بندی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔آج مسلمان ایک ہی حیثیت کے مالک ہیں۔جیسا کہ امام ابو حنیفہ سے منقول ہے۔"المسلم كفو لكل مسلم" مسلمان فاسق ہو یا متّقی ہو،دونوں کے قانونی حقوق یکساں ہوں گے۔اسلام کے قانون کے مطابق تقویٰ اور فسق دونوں کا ثواب و عذاب آخرت سے متعلق ہے۔اس دنیا میں معاشرتی لحاظ سے تمام مسلمان مساوی حیثیت کے حامل ہیں،اور قانونی سطح پر بھی۔اس بنیاد پر ووٹ ڈالنے کا حق ہر مسلمان کو حاصل ہے۔یہی روحِ عصر بھی ہے اور عہدِ حاضر کا تقاضا بھی۔اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ خلیفہ کا براہِ راست انتخاب پورے ملک کی سطح پر ہو گا۔اس اصول کو اختیار کرنے سے وڈیرہ شاہی نظام بھی نہیں رہے گا۔عوام سوچنے سمجھنے کے قابل ہیں،چاہے اکثریت کا طرز عمل فاسق وفاجر لوگوں کے مشابہ کیوں نہ ہو۔مسلم عوام اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟اور کیا نہیں ہے؟لہٰذہ اپنی رائے کسی اہل اور قابل امیدوار کے حق میں ہی دیں گے۔البتہ یہ بات طے کر لی جائے کہ خلیفہ کا انتخاب لڑنے والے،اور مقننہ کا،ہر دو صورتوں میں ان کے اخلاق و کردار کی چھان بین اچھی طرح کی جائے گی۔اس لئے کہ کوئی حرام خور،بد کردار،اس عہدے کو ہرگز حاصل نہ کر سکے۔

۳۔ مخلوط قومیت کی نفی اور غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو برابر کی شہریت نہیں دی جاسکتی۔ غیر مسلم کی حیثیت ایک ذمی کی ہو گی۔ ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ مجلس شوریٰ میں بھی کوئی غیر مسلم رکن نہیں بن سکتا، ضیاء الحق نے مجلسِ شوری کا ادارہ قائم کیا تھا، اس میں غیر مسلموں کو بھی بطورِ رکن رکھا گیا تھا، جو کہ اصولاً بالکل ہی غلط تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ وہ بھی غلطی سے اس کے ممبر بن گئے تھے، لیکن دو مہینے کے بعد ہی اس نے مجلسِ شوریٰ سے استعفیٰ دے دیا۔ نظامِ خلافت میں ایسا ہرگز نہیں ہو گا کہ کسی غیر مسلم کو مجلسِ شوریٰ کا رکن ہونے کا شرف حاصل ہو۔ لیکن غیر مسلموں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی مکمل حفاظت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہو گی۔ اسی لئے غیر مسلموں کے لئے ذمی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ انہیں اپنے مذہب کے مطابق عبادت کی مکمل آزادی ہو گی، ان کی عبادت گاہوں کی تقدیس پر حرف نہیں آئے گا۔ مگر یہ لوگ نہ ہی مسلمانوں میں اپنے عقیدے کی تبلیغ کر سکیں گے اور نہ ہی مجلسِ شورہ کے اراکین کے انتخابات میں ووٹ ڈال سکیں گے۔ ہر قسم کے تیکنیکی شعبہ جات میں ان کے لئے بھی روزگار کے مواقع موجود ہوں گے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ "اسلامی ریاست میں ہندو، عیسائی، قادیانی، اور پارسی وغیرہ سب کو اپنی حفاظت کے عوض حکومت کو ایک ٹیکس ادا کرنا ہو گا، اس ٹیکس کا نام جزیہ ہے، اب ہمیں اپنے اندر ایسی جراءت پیدہ کرنا ہو گی کہ ڈنکے کی چوٹ پر کہہ سکیں اور روایتی معذرت خواہانہ اندازِ فکر کو ترک کر دیں"۔ [۲۱]

۴۔ نظامِ صلوٰۃ کا قیام۔

اسلامی ریاست میں نماز کے نظام کے قیام کی بہت اہمیت ہے۔ نماز کے نظام کا قیام یہ نہیں ہے کہ وقت پر نماز ادا کرلی جائے۔ اسلام میں دین وسیاست ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ خود مسجدِ نبوی کے خطیب بھی تھے اور امام بھی۔ اور بالکل ایسا ہی معاملہ خلافتِ راشدہ میں بھی ہوتا رہا۔ اسی طرح ہر صوبے اور علاقے کا گورنر یا عامل نمازِ جمعہ کی امامت بھی کراتے اور امورِ مملکت بھی سرانجام دیتے۔ فقہ ء حنفی کے مطابق حکومت کی اجازت سے ہی کوئی شخص جمعہ پڑھا سکتا ہے۔ ہر کس وناکس کو لاکر مصلے پر کھڑا نہیں کیا جاسکتا۔ بقولِ اقبال۔

ے قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے۔
اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

ہمارے معاشرے میں آج کل کی مساجد کے ائمہ کو زیادہ حیثیت نہیں دی جاتی۔ دیہات کے مولوی کو زمیندار اپنے کمی سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا۔ اور شہروں میں مسجد کی کمیٹی مولوی حضرات کو اپنے زیر دست رکھتی ہے۔ مگر کچھ ذہین وچالاک مولویوں کے بڑے ٹھاٹھ بھی ہوتے ہیں۔ تاہم ان ائمہ میں بہت سے حضرات متّقی وپرہیز گار بھی ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں، ملکی سطح پر نماز کا نظام قائم ہو گا اور خلیفہ وقت امورِ سلطنت کی انجام دہی کے ساتھ دارلسلطنت کی جامع مسجد کی امامت وخطابت کا فریضہ بھی ادا کرے گا۔ اور صوبائی صدر مقامات پر اور اسی طرح درجہ بدرجہ گورنر یا عامل نماز کی امامت کرے گا۔

۵۔ زکوٰۃ کی کامل تنفیذ۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ ہمیں زکوٰۃ کی حقیقت معلوم ہونی چاہیئے۔ضیاء الحق مرحوم کے دورِ حکومت میں زکوٰۃ کو لاگو کرنے کے سلسلے میں جو اقدامات کئے گئے اس نے زکوٰۃ کو ہی بدنام کر دیا گیا۔زکوٰۃ کا نظام اسلام کی معاشیات میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔اسلامی ریاست میں شہریوں کی بنیادی ضروریات کی کفالت کی جاتی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کا قول مشہور ہے کہ "اگر دریائے فرات کے کنارے پر کوئی کتّا بھی بھوکا مر گیا، تو قیامت کے دن اس کی جواب دہی عمر سے ہو گی"۔شہریوں کی بنیادی ضروریات کے ساتھ شہریوں کی تعلیم کے اخراجات بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہو گی۔اس ضمن میں ذوالفقار علی بھٹّو نے بھی روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا تھا۔علمائے کرام حضرات نے ان کے خلاف سیاسی اختلافات کی بنا پر فتویٰ بھی دیا تھا۔مگر یہ نعرہ کفرانہ نہیں تھا۔یہ تمام چیزیں انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہیں۔اور اس کو نبھانہ اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔رہاذوالفقار علی بھٹو کا نعرہ روٹی کپڑا اور مکان، تو وہ سیاسی نعرہ سے آگے نہ بڑھ سکا اور جلد ہی ان کی وڈیرہ شاہی سامنے آگئی، اسے ایک اچھا موقع ملا تھا کہ جاگیر داری نظام کا خاتمہ کر کے پاکستان کا ماؤزے تنگ بن سکتے تھے، مگر وہ جاگیر دارانہ مزاج کا حامل نکلے۔

ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہے۔سوال یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے وسائل کیا ہوں گے کہ وہ ان سب کی ضروریات کی کفالت کر سکے گی؟

یہ سب کچھ زکٰوۃ کے نظام کے صحیح نفاذ کے ذریعے ہی ممکن ہو گا۔اسلامی ریاست میں اموالِ ظاہرہ پر جبراز کوٰۃ وصول کی جائے گی۔جس میں مالِ تجارت کی کل مالیت پر زکوٰۃ عائد ہو گی نہ کہ منافع پر۔کاروبار چاہے نفع میں ہو یا

نقصان میں ہو، بہر صورت موجودہ مال پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ کارخانوں کی زمین وعمارت اور مشین وغیرہ تو زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے، لیکن کارخانہ میں موجود خام مال اور تیار مال دونوں کی مجموعی مالیت پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اس طرح حکومت کے پاس زکوٰۃ کی مد میں اتنا مال جمع ہو جائے گا کہ ہر شہری کی ضروریات کا بار اٹھا سکے گی۔ پھر وہ وقت بھی آجائے گا نہیں کہ لوگ اپنے باطنہ اموال کی زکوٰۃ لئے لئے پھریں لیکن کوئی لینے والا نہ ملے۔ آج کی دنیا میں کافروں نے ایسا فلاحی نظام قائم کیا ہے کہ بے روزگاروں کو، معذور اور مجبور شہریوں کو بے بس سڑکوں پر بھیک مانگنے نہیں چھوڑ دیا جاتا ہے، بلکہ ان کی کفالت ریاست کرتی ہے۔ اسلامی ریاست میں جب زکوٰۃ کا نظام قائم ہو گا تو تمام ٹیکس از خود ختم ہو جائیں گے۔ اور صاحبِ نصاب مسلمان بخوشی زکوٰۃ ادا کریں گے۔

٦۔ سود کا کامل انسداد۔

اسلامی ریاست میں سودی نظام کو بالکل ختم کر دیا جائے گا، اور معیشت کو سود سے پاک کر دیا جائے گا۔

٧۔ جاگیرداری نظام کا خاتمہ۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ جیسا کہ اموالِ باطنہ اور اموال ظاہرہ کی دو قسمیں ہیں، اسی طرح اراضی میں بھی عشری اراضی اور خراجی اراضی کی دو اقسام ہیں۔ خراجی زمینیں وہ ہیں، جو مسلمانوں نے کسی بھی وقت طاقت کے زور سے حاصل کی ہوں۔ یعنی بزورِ شمشیر فتح کی ہوں۔ یہ زمینیں خراجی قرار پاتی ہیں، ڈاکٹر اسرار احمد اپنی بات کی

تائید کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے دور خلافت کا حوالہ دیتے ہیں، کہ تمام مفتوحہ علاقے خراجی قرار دیے گئے۔ پاکستان کی اکثر وبیشتر زمیں بھی خراجی ہے۔ پاکستان کی زمینیں کسی بھی شخص کی ملکیت نہیں، انگریز سرکار نے اپنے وفاداروں کو مسلمانوں سے غدّاری کرنے کے عوض ان کو انعام میں دیں تھیں۔ اسلامی ریاست میں ایک نئے سرے سے اراضی کا بندوبستی نظام مدون کیا جائے گا۔ اور اس میں کسانوں اور کاشکاروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے نظام وضع کیا جائے گا۔ پھر کسانوں کو کسی بھی دوسرے معاشی نظاموں کی طرف دیکھنے کی قطعا ضرورت نہیں ہو گی

۸۔ شراب اور جوے پر پابندی۔

اسلامی ریاست میں شراب اور جوئے پر مکمل پابندی ہو گی۔ یہ سب شیطانی اعمال ہیں۔ جوئے کی کوئی سی شکل بھی کسی صورت قابل قبول نہیں کی جائے گی۔ جوا اور شراب انسانوں کو محنت کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں انسانی وقار کو ختم کر دیتی ہیں۔

۹۔ مکمل سماجی اور قانونی مساوات۔

اسلامی ریاست میں مکمل انسانی مساوات کا تصوّر جلوہ گر ہو گا۔ اونچ نیچ کا کوئی تصوّر نہیں ہو گا، اسی طرح قانون کے سامنے بھی سب لوگ برابر ہوں گے۔

۱۰۔ مخلوط معاشرت کا سدّباب۔

اسلامی ریاست میں خواتین اور مردوں کے دائرہ ہائے کار کے سلسلے میں یہ بات طے کر دی جائے گی کہ اب مخلوط معاشرت نہیں ہو گی۔ سکولوں سے لے کر جامعات تک ہر جگہ تعلیمی ادارے الگ الگ تعلیم مہیّا کریں گے۔ خواتین کی اساتذہ بھی خواتین ہی ہوں گی۔ اسی طرح ہسپتالوں میں بھی عورتوں کے ہسپتال میں عورتیں ہی ڈاکٹر ہوں گی۔ اور مردوں کے ہسپتال میں مرد ڈاکٹر ہوں گے۔ اسی طرح دیگر شعبہ ء جات میں بھی کیا جائے گا۔ ۲۲؎

خلافتِ اسلامیہ میں مقننہ۔

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام کے صفحہ نمبر ۹۳ میں کہتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں مقننہ کے حوالے سے ایک مغالطہ ہمارے مذہبی حلقوں میں موجود ہے۔ یہ کہ اگر اسلامی ریاست قائم ہو جائے تو چونکہ شریعت ساری کی ساری موجود ہے، لہٰذہ کسی مقننہ کی ضرورت پیش نہیں آئیگی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس فکر کو کم فہمی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جدید سائنس اور صنعتی ترقی نے بے شمار نت نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، جن کے لئے قرآن و حدیثِ رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں قانون سازی کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر اگر دیکھا جائے تو صرف زکٰوۃ کے بارے میں نئے نئے مسائل جنم لے چکے ہیں۔ کارخانوں پر زکٰوۃ کا کیا طریقہ ء کار ہو گا؟ ٹرکوں اور بسوں کا کیا حکم ہے؟ حکومت کی آمدنی سے اخراجات مختلف محکمہ جات تعلیم صحت، دفاع، تعمیر و ترقی کے مابین تناسب، کیسے کیا جائے گا؟ یہ سارے کام مقننہ کے کرنے کے ہیں۔ اگر ہم در حقیقت دور حاضر میں اسلامی قانون کا نفاذ چاہتے ہیں تو ہمیں اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہو

گا،جو کئی سو سال سے بند پڑا ہوا ہے۔اس حوالے سے ایک اور اصول بھی سمجھ لینا چاہیے کہ دین اسلام اللہ عز وجل کا دیا ہوا دین ہے،اور اللہ تعالیٰ الحکیم ہے،ہمارے دین میں اصول یہ ہے کہ کوئی قانوں قرآن اور سنّت کے منافی نہیں بنایا جا سکتا،لیکن یہ اصول نہیں ہے کہ کوئی ایسی قانون سازی ہی نہیں کی جا سکتی جس کی بنیاد قرآن سنّت میں نہ ہو۔ایسی صورت میں تو قانون سازی کا دروازہ ہی بند ہو جاتا۔مثال کے طور پر یہ کہ بلڈنگ کنٹرول کے قوانین،ٹریفک کے قوانین،جہاز رانی کے قوانین،سول ایوی ایشن کے قوانین،یہ سب قوانین کیسے بنائے جا سکتے؟ اس لئے دینِ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ قرآن وسنّت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا،اس طرح اسلامی ریاست میں قانون سازی کا دائرہ بڑھ گیا۔

مقننہ اور اجتہاد۔

ڈاکٹر اسرار احمد علامہ محمد اقبال کے حولے سے کہتے ہیں کہ اب اجتہاد پارلیمنٹ کے ذریعے سے ہی ہو گا۔اگرچہ علامہ اقبال کی اس بات کو ان کے بیٹے جاوید اقبال نے الجھا دیا۔لیکن ڈاکٹر اسرار احمد علامہ اقبال کے قول کی صد فی صد تصدیق کرتے ہیں،اور کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کے اندر جو اجتہاد ہو گا،وہ قرآن وسنّت کے اندر رہتے ہوئے ہی ہو گا۔اجتہاد تو دین کے تحت ہی ہو سکتا ہے،ایسا ہر گز نہیں کہ جو کچھ بھی پارلیمنٹ پاس کر دے وہ دین بن جائے۔اگر پالیمنٹ کو اتنی وسعت دے دی جائے تو حاکمیت پارلیمنٹ کے پاس آ جائیگی۔جبکہ اسلامی ریاست میں حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔اس کے بر عکس عوامی حاکمیت کا تصور کفر اور شرک ہے۔بقول علامہ اقبال۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری۔

قرآن سنّت کی بالاستی کی عملی صورت۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا نفاذ ایک دستوری مرحلہ ہے۔ دستور میں جب درج کر دیا جائے کہ قرآن وسنّت کو ہر چیز پر بالادستی حاصل ہے، تو حاکمیت کے اس دستوری اقرار کے بعد اس کے نفاذ کا عملی مرحلہ آتا ہے۔ اس حولے سے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۹ سے راہنمائی ملتی ہے۔ اس آیت سے بہت سے معاملاتِ ریاست سمجھ میں آجاتے ہیں۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط ہے، دوسرا یہ کہ اگر الوالامر سے جھگڑے کی صورت پیدا ہو جائے تو معاملہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹا دیا جائے۔ نیز الوالامر سے تو نزاع ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے انکار ممکن نہیں۔ نزاع کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لے جانا ہی ہو گا۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف معالہ لوٹانے کی عملی صورت کیا ہو گی؟ ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ دنیا میں نہ اللہ تعالیٰ خود فیصلہ کرنے کے لئے موجود ہیں، اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ موجود ہیں۔ اس کا فیصلہ دراصل عدالتوں میں کیا جائے گا۔ موجودہ دور کی یہ بھی ایک خاصیت ہے کہ دستور نزاعِ حکومت کو عدالتوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ نزاع چاہے حکومت یا عوام کے درمیان ہو یا مقننہ اور عوام کے درمیان ہو، متنازعہ امور کا فیصلہ عدالتوں کے ذریعے ہی

سرانجام پاتاہے۔لہٰذہ کسی بھی قانون یا حکومتی اقدام ،یا عوامی احتجاج،کے بارے میں اگر اختلاف پیدا ہو جائے کہ کیا یہ قرآن وسنّت کے اندر رہے یا اس سے تجاوز کر رہا ہے؟تو اس طرح کے نزاع کا فیصلہ بھی عہد حاضر کی جمہوری حکومتوں کی طرح نظامِ خلافت میں بھی عدالتوں کے حولے کیا جاسکتا ہے۔اس حوالے سے ہدایت اور راہنمائی قرآن حکیم کی ان عمومی آیات اور احادیثِ مبارکہ سے لی جائے گی جن میں فصل نزاعات میں عدل غیر جانب داری اور کتاب وسنّت کی پاسداری کے احکامات موجود ہیں۔

انتخابات کے ذریعے اولوالامر کا تقرر۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ اولی الامر کے تعین کے لئے انتخابات کا طریقہء کار بھی اپنایا جاسکتا ہے، لیکن انتخابات کے نظام کو اسلامی ریاست میں کچھ حدود و قیود کا پابند کرنا پڑے گا۔ڈاکٹر اسرار احمد اس بات کے قائل ہیں کہ انتخاباب زیادہ سے زیادہ وسیع البنیاد ہوں،زیادہ سے زیادہ شہریوں کی رائے کا اس میں عمل دخل شامل ہو۔اس حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں "المسلم کفو لکل مسلم" یہ کہ قانونی و دستوری لحاظ سے تمام مسلمان برابر ہیں۔اسلامی ریاست میں یہ امتیاز نہیں ہے کہ متقی مسلمان کے اور فاسق مسلمان کے شہری حقوق کے لحاظ سے فرق وتفاوت ہو۔اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کے برابر ہیں۔البتہ ذمہ داری تفویض کرنے میں شہریوں کے علم و فضل کے اعتبار سے ان کے درمیان فرق وتفاوت رکھا گیا۔اس لئے یہ بات موکد ہو جاتی ہے کہ اسلامی ریاست میں ووٹ دینے کا حق سب مسلمانوں کو حاصل ہو گا،اور یہ بات عصر حاضر کی روح کے مطابق بھی ہے۔

ووٹر کے اوصاف۔ ڈاکٹر اسرار

احمد کہتے کہ ووٹر کی عمر کے تعین کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ ووٹری عمر کم از کم چالیس سال ہونی چاہیے۔اور یہ بات حکمتِ قرانی کے عین مطابق ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ اگر ووٹر کی عمر چالیس سال مقرر کر دی جائے تو اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اس طرح ایک بہت بڑا طبقہ نظام حکومت کے بنانے کے عمل سے محروم ہو جائے گا۔ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ پھر کم از کم یہ ضرور ہو کہ انتخابات میں حصہ لینے والے کی عمر چالیس سال سے کم نہ ہو۲۳

مآخذو حواشی

۱۔خلافت کی حقیقت اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام،ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ نمبر ۱۹۔ناشر ناظم نشر و اشاعت مرکزی انجمن خدّام الالقرآن،لاہور، طبع پنجم۔۲۰۰۶۔

۲۔ایضا،صفحہ نمبر ۲۰۔

۳۔ایضا،صفحہ نمبر ۲۶۔۲۹

۴۔ ایضا، صفحہ نمبر ۲۸-۲۹

۵۔ ایضا، صفحہ ء نمبر ۳۰-۳۳۔

۶۔ ایضا، صفحہ نمبر ۳۴۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام، ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ ء نمبر ۶، مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور۔

۷۔ خلافت کی حقیقت اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام، ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ نمبر ۳۵۔ ناشر ناظم نشر و اشاعت مرکزی انجمن خدّام الالقرآن، لاہور، طبع پنجم۔ ۲۰۰۶۔

۸۔ نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت اور انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج، ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ ء نمبر ۴۳-۴۵، مرکزی انجمن خدّامِ القرآن، لاہور۔

۹۔ خلافت کی حقیقت اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام، ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ نمبر ۳۵-۳۶۔ ناشر ناظم نشر و اشاعت مرکزی انجمن خدّام الالقرآن، لاہور، طبع پنجم۔ ۲۰۰۶۔

۱۰۔ ایضا، صفحہ ء نمبر ۳۶-۳۷۔

۱۱۔ ایضا، صفحہ نمبر ۳۸۔

سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی حال اور مستقبل، اور مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری صفحہ ء نمبر ۳۸-۴۰، ڈاکٹر اسرار احمد، ناظم نشر و اشاعت مرکزی انجمن خدّام القرآن، لاہور، ۱۹۹۳۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ پیشن گوئی درست نہیں ہوئی۔

۱۲۔خلافت کی حقیقت اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام،ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ نمبر۳۹-۴۱۔ناشر ناظم نشر و اشاعت مرکزی انجمن خدّام القرآن،لاہور، طبع پنجم۔۲۰۰۶۔

پاکستان میں نظامِ خلافت کیا، کیوں اور کیسے،ڈاکٹر اسرار احمد، ص ۵۴،ناشر ناظمِ نشرواشاعت، مرکزی انجمنِ خدّام القرآن لاہور،۲۰۰۵۔

سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی حال اور مستقبل، اور مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری صفحہ ءنمبر ۱۰۔ڈاکٹر اسرار احمد، ناظم نشرواشاعت مرکزی انجمنِ خدّام القرآن،لاہور، ۱۹۹۳۔

۱۳۔ایضا، صفحہ نمبر ۳۳۔

۱۴۔ایضا، صفحہ ءنمبر۔۳۱-۳۹۔

خلافت کی حقیقت اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام،ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ نمبر۵۱-۵۳۔ناشر ناظم نشر و اشاعت مرکزی انجمن خدّام القرآن،لاہور، طبع پنجم۔۲۰۰۶۔

۱۵۔اسی خطے سے مراد خراسان کا علاقہ ہے۔

خطباتِ خلافت،ڈاکٹراسرار احمد ،صفحہ ءنمبر ۵۸-۵۹،ناشر ،ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔۱۹۹۷۔

۱۶۔خلافت کی حقیقت اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام،ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ نمبر ۶۲-۶۴۔ناشر ناظم نشرواشاعت مرکزی انجمن خدّام الالقرآن،لاہور، طبع پنجم۔۲۰۰۶۔

۱۷۔ پاکستان میں نظامِ خلافت کیا کیوں اور کیسے،ڈاکٹر اسرار احمد ،صفحہء نمبر۱۷-۱۸۔ناشر ناظم نشرواشاعت،مرکزی انجمن خدّام القرآن،لاہور، طبع سوم،۲۰۰۵۔

۱۸۔ایضا،صفحہ ءنمبر ۲۰۔۲۵۔

۱۹۔ایضا،صفحہ ءنمبر ۲۵-۳۰۔

۲۰۔ایضا،صفحہ ءنمبر ۶۶۔۷۰

۲۱۔ایضا،صفحہ ءنمبر ۷۰۔۷۴۔

۲۲۔ایضا،صفحہ ءنمبر ۷۴۔ ۸۲۔

۲۳۔خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام،ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ ءنمبر ۹۳-۸،۔ناشر ناظم نشرواشاعت مرکزی انجمن خدّام الالقرآن،لاہور، طبع پنجم۔۲۰۰۶۔